© rasailojaraid.com

رکھی جاتیں جو ابدی ہیں، عالمگیر ہیں اور جو زمان و مکان اور سلطنت کے تغیر و تبدل سے نہیں بدلتیں اور آفتاب کی شعاعوں کی طرح ہمیشہ یکساں رہتی ہیں اور دوسری جانب عہدِ زیرِ بحث کے تاریخی واقعات کا معروضی مطالعہ کرکے ایمانداری سے جائزہ لیا جاتا۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ عہد اکبر و جہانگیر کی مسلم سوسائٹی کا کوئی طبقہ ایسا نہیں ہے جس کو حضرت مجدد نے اپنی سخت اور کڑی تنقید کے ناوک کا نشانہ نہ بنایا ہو، بادشاہ، اعیان و امراء سلطنت، شیعہ، سنی علماء، صوفیاء، مشائخ، اربابِ درس و تدریس، عمالِ حکومت، اصحابِ تجارت، عوام اور خواص ان میں سے کونسا طبقہ ہے جس کا ماتم حضرت مجدد نے نہیں کیا اور جس کا نوحہ کمال دلسوزی و جگر برشتگی سے نہیں پڑھا۔ اس بنا پر یہ تو ظاہر تھا کہ ہر طبقہ میں ان کی مخالفت ہوئی، اعیان و امراء نے بادشاہ کو ان سے بدظن کر کے انھیں گوالیار میں قید کرایا، علماء نے ان کے خلاف رسالے لکھے (جو مخطوطہ کی شکل میں مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ میں اور بعض اور کتب خانوں میں محفوظ ہیں) صوفیا میں شیخ محب اللہ الہ آبادی جو وحدت الوجود کے مسئلہ میں شیخ ابن عربی کے نہایت غالی پیرو اور ترجمان تھے اور جنھوں نے شیخ کی فصوص الحکم کی شرح عربی اور فارسی دونوں میں لکھی تھی انھوں نے حضرت مجدد کی مخالفت میں سب سے زیادہ سرگرمی دکھائی اور کتابوں پر کتابیں تصنیف کر ڈالیں، بہرحال اس میں نہ کوئی بات حیرت اور اچنبھے کی ہے اور نہ استعجاب و استغراب کی، دنیا میں ہمیشہ معرکۂ حق و باطل اسی طرح برپا رہا ہے۔

دیکھنا یہ ہے کہ اچھے اور برے کس طبقہ میں نہیں ہوتے اور کب نہیں ہوئے ہیں، فرق صرف کثرت اور قلت کا ہے، کسی طبقہ میں کثرت اچھوں کی ہوتی ہے تو وہ اچھا کہلاتا ہے اور برے کثرت سے ہوتے ہیں تو وہ طبقہ برا کہا جاتا ہے، اب حضرت مجدد نے مختلف طبقات پر جو تنقید کی ہے اُس کا تجزیہ کیا جائے تو اس کا حاصل یہی نکلتا ہے کہ ان لوگوں پر دنیا غالب آگئی ہے، خوف خدا ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے دلوں سے جاتا رہا ہے، ان میں سے ہر شخص اپنی ہوا و ہوس کا غلام ہے، مذہب کی حقیقی روح اور اس کی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے، آخرت اور یوم حساب کا کسی کو دھیان نہیں ہے، چند روزہ زندگی کے عیش و آرام کو ہی مطمح نظر بنالیا گیا ہے، تصوف، علم دین اور درس معرفت و طریقت یہ سب دام تزویر کی طرح استعمال ہو رہے ہیں، بادشاہ نے دین کو مغلوب اور مفلوج کر دیا ہے، اُس کے شعائر کا مذاق اڑاتا ہے، حق کے بالمقابل اباطیل و خرافات کی پشت پناہی کر رہا ہے، یہ وہ حالات ہیں جن کے باعث فتنہ عام ہے، انسانیت برباد ہے، زندگی کے اقدار عالیہ خاک بسر اور ہوا و ہوس کا بازار گرم ہے، اب تاریخ سے پوچھو کہ یہ سب کچھ اُس سوسائٹی کا صحیح نقشہ تھا یا نہیں، مسلمانوں کا کیا ذکر! ابوالفضل اور فیضی نے اکبر کے نام سے دین الٰہی کا جو سوانگ رچایا تھا اُس سے ہندو بھی بیزار اور نالاں تھے، کیونکہ وہ تو ایک ایسا سیلاب عظیم تھا جو ہر مذہب کو ہی بہالے جانا چاہتا تھا۔ ملا عبدالقادر بدایونی کو اگر آپ نہیں مانتے نہ مانیے لیکن خود ابوالفضل کی تحریروں سے، حضرت مجدد کے مکتوبات سے اور حضرت خواجہ کلاں کے ملفوظات سے اور عام تاریخوں میں اس عہد کے نامور لوگوں کے جزئی واقعات سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے، کیا اُس کا انکار بھی ممکن ہے، اگر نہیں اور یہ حالات واقعی اور حقیقی تھے تو اب اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں سوچنا چاہئے کہ ایک علمبردار اصلاح کا اس وقت فرض کیا ہونا چاہئے تھا، اگر حضرت مجدد نے ہزار تکلیفیں اور مصیبتیں برداشت کر کے اس سیلاب بلا کو روکا تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام اور مسلمانوں پر تو ان کا احسان عظیم ہے ہی مگر ساتھ ہی ان کا احسان ہندوؤں اور دوسرے مذاہب کے لوگوں پر بھی ہے اور پورے اس ملک پر بھی ہے، کہ اس طرح حضرت مجدد نے اس انارکی اور طوائف الملوکی سے ملک کو بچا لیا جو دین الٰہی کے فروغ اور مختلف سماجی طبقات کی حد سے زیادہ گمراہی اور بے راہ روی کے نتیجہ میں پیدا ہوتی، جہاں تک اقدار عالیہ کا تعلق ہے ان میں سوئی کا فرق نہیں ہوتا، اگر میں اپنے لئے اچھا ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں سب کے لئے اچھا ہوں اور اسی طرح میں خود اپنا دشمن ہوں تو پھر میں کسی کا بھی دوست نہیں! یہ چند سطور نظرات کی حد سے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نکل کر مقالہ بن جائیں گی، ورنہ جی چاہتا تھا کہ اس کو اور پھیلاکر بیان کیا جاتا۔

بہرحال پروفیسر مسعود حسین خاں صاحب نے جو سوال اٹھایا تھا اُس کا جواب یہ ہے کہ یہ حالات پر موقوف ہے۔ حضرت مجدد سے ہم کو یہ روشنی ملتی ہے کہ اگر کسی ملک میں پھر وہی حالات پیدا ہو جائیں جو اُن کے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے تو اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں ان کی اصلاح کے لئے مسلمانوں کو عزم و حوصلہ کے ساتھ وہی کرنا چاہیے جو حضرت مجدد نے کیا تھا، اور اسلام کی تعلیم کا تقاضا بھی یہی ہے۔ اس پر ہم کو نہ شرمانے کی ضرورت ہے اور نہ جھجک اور خوف کی، اس سلسلہ میں ایک واقعہ سن لیجیے جو شاید آپ کے لئے دلچسپی کا اور مذکورہ بالا نقطۂ نظر کی مزید وضاحت کا سبب ہو، میرے قیام کلکتہ کے زمانہ میں وہاں ایک مرتبہ انسداد گاؤکشی کے لئے ایجی ٹیشن شروع ہوا۔ روزانہ شام کو جلوس نکلتے تھے اور عجیب بات یہ ہے کہ اس جلوس میں بعض مسلمان بھی شریک ہوتے تھے، کیونکہ مارواڑی اس تحریک کی پشت پناہی کر رہے تھے اور وہ جلوس میں ہر شریک ہونے والے کو پانچ روپیہ فی جلوس دیتے تھے، اس تحریک کے زمانہ میں ایک دن مجکو شری سین نے بلایا جو چیف منسٹر کے ڈپٹی تھے اور پوچھا کہ اسلام میں گاؤکشی کا کیا حکم ہے؟ میں نے کہا: اسلام میں یہ مباح ہے، نہ واجب اور نہ ممنوع۔ اگر مسلمان خود کسی مصلحت سے اسے ترک کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں، لیکن اگر کوئی گروہ مسلمانوں سے پوچھے بغیر اس حکم کو مسلمانوں پر زبردستی نافذ کرے اور خصوصاً مسلمانوں کے ساتھ دشمنی کے جذبہ سے تو اب مسلمانوں کے لئے اس کا حکم دوسرا ہو جاتا ہے اور وہ یہ کہ اگر مسلمانوں کے لئے ممکن ہے تو انھیں اس کی مقاومت کرنی چاہئے، ورنہ جبر تو بہرحال ہوگا ہی! شری سین نہایت معقول اور کھلے دماغ کے انسان تھے، انھوں نے میرا شکریہ ادا کیا اور میری بات کی معقولیت کو تسلیم کیا، چنانچہ ایجی ٹیشن چلتا رہا، مگر گورنمنٹ ٹس سے مس نہ ہوئی اور آج بھی وہاں گاؤکشی ممنوع نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com